۱۵۔ القرآن الکریم۔ ۲ : ۱۴۳

۱۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۱، ص : ۲۱۸

۱۶/i۔ تفسیر مظہری، ج : ۱، ص : ۲۴۰

۱۷۔ القرآن الکریم۔ ۵ : ۸

۱۸۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۱، ص : ۲۵۷

۱۸/ii۔ القرآن الکریم۔ ۴۹ : ۱۳

۱۹۔ القرآن الکریم۔ ۳ : ۸۱

۲۰۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۱، ص : ۴۲۹

۲۱۔ تفسیر جلالین، ج : ۱، ص : ۷۸

۲۲۔ القرآن الکریم۔ ۳۳ : ۴۵ تا ۴۶

۲۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۴، ص : ۲۵۸

۲۴۔ انجیل برنباس، اسلامی مشن سنت نگر لاہور، ۱۹۱۶ء، فصل ۲۲۰، ص : ۳۶۷

۲۵۔ القرآن الکریم۔ ۲ : ۲۸۲

۲۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۱، ص : ۳۷۷

۲۷۔ القرآن الکریم۔ ۴۹ : ۱۰

۲۸۔ تفسیر مظہری، ج : ۲، ص : ۱۲۶

۲۹۔ معارف القرآن، ج : ۱، ص : ۶۵۴

۳۰۔ تفسیر مظہری، ج : ۲، ص : ۱۳۴

۳۱۔ القرآن الکریم۔ ۲ : ۱۴۰

۳۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۱، ص : ۲۱۶

۳۲/i۔ تفسیر مظہری، ج : ۱، ص : ۲۳۶

۳۳۔ القرآن الکریم۔ ۴ : ۶

۳۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۱، ص : ۵۱۱

۳۴/i۔ تفسیر مظہری، ج : ۲، ص : ۴۹۴

۳۵۔ القرآن الکریم۔ ۱۶۔۸۹

۳۶۔ القرآن الکریم۔ ۲۵ : ۱

۳۷۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۳، ص : ۱۳۷

۳۸۔ القرآن الکریم۔ ۱۷ : ۹۶

۳۹۔ تفسیر ابن کثیر، ج : ۳، ص : ۲۳۱

۴۰۔ القرآن الکریم۔ ۴: ۱۵

۴۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۵۲۲

۴۱/أ۔ تفسیر مظہری، ج: ۲، ص: ۵۳۴

۴۲۔ القرآن الکریم۔ ۲۴: ۴

۴۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۸۱

۴۳/أ۔ تفسیر مظہری، ج: ۸، ص: ۲۲۳

۴۴۔ القرآن الکریم۔ ۲: ۲۸۳۔۲۸۴

۴۵۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۳۸۱

۴۵/أ تفسیر معارف القرآن، ج: ۱، ص: ۶۸۵

۴۶۔ القرآن الکریم۔ ۵: ۱۰۶تا۱۰۸

۴۷۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۱۰۴

۴۸۔ تفسیر مظہری، ج: ۴، ص: ۸۰

۴۹۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۲، ص: ۳۳

۵۰۔ القرآن الکریم۔ ۵۶: ۲

۵۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۵، ص: ۴۵

۵۲۔ القرآن الکریم۔ ۷۰: ۳۳

۵۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ۵، ص: ۴۳۳

۵۴۔ القرآن الکریم۔ ۷۰: ۳۵

اسلام میں افتاء کی اہمیت

تحریر: جناب محمد خالد سیف، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

لغوی معنی

"الفتاوٰی" یا "الفتاوٰی کا واحد فتوٰی ہے، اس کا واحد فتوٰی اور فتیاء بھی آتا ہے۔ فتوٰی سے مراد ہے" ماافتی بہ الفقیہ" یعنی فتوٰی وہ ہے جو کسی فقیہ کی جانب سے دیا جائے گویا یہ " افتی العالم اذا بین الحکم (عالم نے فتوٰی دیا یا حکم بیان کیا) سے اسم مشتق ہے(۱) یہ خالص عربی لفظ ہے جو بعض علماء لغت کے نزدیک "الفتوۃ" سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی ہیں کرم، سخاوت، مروت اور زور آوری۔ فتوٰی کو بھی فتوٰی اس لئے کہتے ہیں کہ فتوٰی دینے والا مفتی اپنی فتوت یعنی سخاوت ومروت اور عالمانہ قوت سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے(۲) علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

"الفتیاء والفتوٰی الجواب عما یشکل من الاحکام ویقال ستفتیت فافتانی(۳)

(فتاوٰی اور فتیا مشکل احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سے فتوٰی دریافت کیا تو اس نے مجھے فتوٰی دیا)

ابن الاثیر نے اسکے معنی کسی مسئلے کے بارے میں رخصت یا جواز پیش کرنے کے بتائے ہیں(۴) بعض کے نزدیک فتوٰی دراصل الفتی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں الثابت القوی چونکہ کسی حادثہ یا واقعہ کے جواب میں پیش کیے جانے والے دینی مسائل کو مفتی اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے اس لئے فتوٰی گویا مدلل ثبوت والا جواب ہوا(۵)

قرآن مجید میں بھی اس لفظ کے بہت سے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن(٦)

(اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتوٰی طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں فتوٰی دیتا ہے)

"یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکللۃ(۷)

(اے پیغمبر) لوگ تم سے فتوٰی طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں یہ فتوٰی دیتا ہے)

"افتونی فی رویای(۸) (تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ)

"فاستفتهم اهم اشد خلقا ام من خلقنا (۹) (ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی خلقت ہم نے بنائی ہے ان کا؟)

یہ چند آیات کریمہ بطور مثال ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ اس لفظ کے اور بھی بہت سے مشتقات قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں (۱۰)

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"الاثم ماحاک فی صدرک وان افتاءک الناس وافتوک (۱۱)

(گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز کا فتوی دیں)

صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

"الاثم ماحاک فی نفسک وکرهت ان یطلع علیه الناس (۱۲)

(گناہ وہ ہے جو تمہارے جی میں کھٹکے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو)

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ:

"الاثم ماحاک فی القلب وتردد فی الصدر وان افتاءک الناس وافتوک (۱۳)

(گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینے میں اس کے بارے میں تردد پیدا ہو خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز اور رخصت کا فتوی دیں)

شرعی معنی

علماء فقہ واصول کے اقوال کے مطابق فتوی کے شرعی معنی ادلہ شرعیہ کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

"المفتی قائم فی الامة مقام النبی صلی الله علیه وسلم لان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهما وانما ورثوا العلم (۱۴)

(مفتی امت میں نبی ﷺ کے قائم مقام ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور حضرات انبیاء نے انہیں دینار یا درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا ہے)

مفتی تبلیغ احکام میں بھی نبی اکرم ﷺ کا نائب ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے:

"الاليبلغ الشاهدمنكم الغائب(۱۵)(تم میں سے جولوگ موجودہیں وہ ان لوگوں تک بھی یہ احکام پہنچادیں جو موجودنہیں ہیں)
بلغوا عنی ولواية(۱۶)(میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی ہو)
"تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم"(۱۷)
(تم میری احادیث کو سنتے ہو، تم سے بھی انہیں سناجائے گا۔اور ان سے بھی جنہوں نے تم سے سنا ہوگا)

یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ مفتی گویا آنحضرت ﷺ کے نائب اور قائم مقام کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

افتاء نویسی کی اہمیت

امام نووی فرماتے ہیں کہ افتاءً ایک عظیم الشان ،جلیل القدر اور بہت ہی شرف وفضل کا حامل عمل ہے کیونکہ مفتی درحقیقت وارث انبیاء ہے اور فرض کفایہ کو سرانجام دیتا ہے لیکن یہ الگ بات ہے کہ اس سے غلطی بھی ہوسکتی ہے(۱۸)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ "فاسق مفتی نہیں بن سکتا کیونکہ فتوی امور دین میں سے ہے اور امور دین کے بارے میں فاسق کا قول ناقابل قبول ہے(۱۹)اسی طرح علامہ قرافی نے بھی لکھا ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ کسی عالم کو اس وقت تک فتوی نہیں دینا چاہیے جب تک لوگ اسے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو فتوی کا اہل نہ سمجھے(۲۰)امام مالک کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی علماء کے نزدیک اہلیت ظاہر اور ثابت نہ ہو وہ منصب افتاء کا اپنے آپ کو اہل نہ سمجھے۔ مختلف مکاتب فکر کی کتب فقہ میں اس مفہوم کی بہت سی عبارتیں موجود ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ لوگ فتوی دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ سلف صالح بھی اس سلسلہ میں بے حد محتاط تھے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

"سلف صالح حضرات صحابہ کرام وتابعین فتوی میں جلد بازی کو ناپسند فرماتے تھے، ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کاش اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص فتوی دے دے لیکن ان میں سے جب کوئی یہ محسوس فرماتا کہ اب اس کے لئے فتوی دینا فرض ہے تو وہ کتاب وسنت یا خلفاء راشدین کے قول کی روشنی میں اس کے حکم کو معلوم کرنے کیلئے پورے پورے اجتہاد سے کام لے کر فتوی دیتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ میں نے ------مسجد نبوی میں------ایک سو بیس حضرات صحابہ کرام کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور دیکھا

کہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ہر محدث کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کاش اس کے بجائے اس کا کوئی دوسرا بھائی حدیث بیان کرے اور ان میں سے جو مفتی ہوتا تو اس کی یہ خواہش ہوتی کاش اس کا کوئی دوسرا بھائی افتاء کے فرض سے عہدہ برا ہو۔(۲۱)

اسی طرح امام احمد نے بھی ابن ابی لیلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے۔ بہر آئینہ اس سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ سلف صالح فتوی دینے میں کس قدر محتاط تھے لیکن اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلبہ کو تعلیم دینا اور استفتاء کرنے والوں کو فتوی دینا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی مسئلہ یا واقعہ کے پیش آنے کے وقت صرف ایک ہی ایسا شخص ہو جو اس کا جواب دے سکتا ہو تو پھر اس کے لئے جواب دینا فرض عین ہے اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اس کا اہل ہو تو پھر یہ دونوں کیلئے فرض کفایہ ہوگا(۲۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مفتی اعظم

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ تبلیغ افتاء کے منصب پر جنہیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ خود سید المرسلین، امام المتقین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپ وحی الہی کی روشنی میں فتوی دیا کرتے تھے اور اللہ احکم الحاکمین کے اس ارشاد پر عمل پیرا تھے کہ:

"قل مااسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین"(۲۳)

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں)

آپ کے فتاوی جامع احکام اور فصل خطاب پر مشتمل تھے اور وجوب اتباع میں ثانی کتاب تھے کہ کسی مسلمان کیلئے ان سے روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللّٰهوالرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰه والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلاً(۲۴)

(اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جہاں تمام تنازعات اور معاملات میں اپنے اور اپنے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ وہ بے فائدہ سوال پوچھنے سے اجتناب کریں اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کریں کہ اگر ان کی حقیقتیں واضح کردی جائیں تو بری لگیں،

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"یایھا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم وان تسئلوا عنھا حین ینزل القرآن تبدلکم عفاالله عنھا والله غفور حلیم(۲۵)

(مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کردی جائیں گی (اب تو) اللہ تعالیٰ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ذرونی ماترکتکم فانما اھلک من کان قبلکم کثرة سوالھم واختلافھم علی انبیائھم(۲۶)

(جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ دو کہ تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرام سے اختلاف نے تباہ و برباد کردیا تھا)

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ان اللّٰہتعالیٰ فرض فرائض فلا تضیعوھا وحد حدودا فلا تعتدوھا وحرم اشیاء فلا تنتھکوھا وسکت عن اشیاء رحمة بکم غیر نسیان فلا تسئلواعنھا(۲۷)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں، تم انہیں ضائع نہ کرو، کچھ حدود مقرر فرمائے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ اشیاء سے اس نے سکوت فرمایا ہے اور یہ بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر لہذا ان کے بارے میں سوال نہ کرو)

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ:

اعظم المسلمین جرمامن سئال عن شئی لم یحرم فحرم من اجل مسئالته(۲۸)

(مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا، جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اسے حرام قرار دے دیا گیا)

حضرات صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ان ارشاد پر سختی سے عمل کیا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے صرف وہی سوالات پوچھے جو ناگزیر تھے اور جن کے پوچھنے کی انہیں واقعی ضرورت تھی، چنانچہ قرآن وسنت کے صفحات شاہد ہیں کہ انہوں نے سابقہ انبیاء کرام کے اصحاب کی طرح نہ تو بے معنی سوالات پوچھے اور نہ کسی کٹ حجتی سے کام لیا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

اجمعین کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے انتہائی پاکباز تھے، علم کے اعتبار سے بے حد گہرے، تکلف میں سب سے کم، بیان کے اعتبار سے سب سے حسین، ایمان میں سب سے پکے، بات کے سب سے سچے اور حضرات انبیاء کرام کے بعد تقرب الٰہی کے سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہی لشکر ایمان، عسکر قرآن اور عبادالرحمن تھے، جو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے بعد افتاء کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔

حضرات صحابہ کرام اور افتاء

حضرات صحابہ کرام میں سے بعض سے تو کثرت سے فتاوٰی منقول ہیں اور بعض کے فتاوٰی کی تعداد انتہائی قلیل ہے جیسا کہ ان میں سے بعض کے فتاوٰی کی تعداد کثرت وقلت کے درمیان ہے۔ بہرحال ان صحابہ کرام کی تعداد ایک سو تیس سے بھی کچھ زیادہ ہے جن کے فتاوٰی محفوظ ہیں۔ جن حضرات سے کثرت سے فتاوٰی منقول ہیں، ان میں سے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرؓ کے اسماء گرامی بطور خاص قبل ذکر ہیں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاوٰی کو اگر جمع کیا جائے تو ان سے ایک بہت ضخیم کتاب مرتب ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ایک بہت بڑے امام و محدث ابوبکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب نے امیرالمومنین مامون کیلئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوٰی کو مرتب کیا تو وہ بیس کتابوں پر مشتمل تھے۔ امام ابومحمد بن حزم اور حافظ ابن قیم نے ان صحابہ کرام کی باقاعدہ فہرست مرتب فرمادی ہے جو منصب افتاء پر فائز تھے۔ نیز انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ فتوٰی نویسی میں کثرت، قلت یا توسط کے کس درجہ پر فائز تھے(۲۹) بلکہ امام ابن حزم نے تو ان تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین کی ایک مفصل فہرست بھی مرتب فرمادی ہے، جو حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور دیگر علاقوں میں منصب افتاء پر فائز تھے(۳۰)

دین کا معاملہ چونکہ بے حد اہمیت کا حامل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے علم کے بغیر دین کے بارے میں بات کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل انما حرم ربی الفواحش ماظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا بالله مالم ینزل به سلطنا وان تقولوا علی الله مالا تعلمون(۳۱)

(کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے محرمات کو چار مراتب میں تقسیم فرمایا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے کم مرتبہ کی محرمات کوذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ظاہر وپوشیدہ بے حیائی کی باتیں اور ان کے بعد انہیں ذکر کیا ہے جن کی حرمت ان سے شدید ہے اور وہ ہیں گناہ اور ناحق زیادتی کرنااور پھر اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سے بھی شدید ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا اور آخر میں اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سب سے شدید تھی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر بات کہنا خواہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات اور افعال کے بارے میں کہی جائے یا اس کے دین وشریعت کے بارے میں، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولاتقولوا لماتصف السنتكم الكذب هذا حلل وهذا حرام لتفتروا على الله الكذب ان الذين يفترون على الله الكذب لا يفلحون متاع قليل ولهم عذاب اليم(۳۲)

(اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کروکہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے ان کو عذاب الیم (بہت) ہوگا)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور افعال واحکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا حرام ہے۔ مفتی چونکہ اللہ تعالیٰ یا اس کے دین کے بارے میں بات بتاتا ہے لہذا اگر اس کی بات شریعت کے مطابق نہ ہو تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر بات کی ہے۔ ہاں البتہ اگر اس نے اجتہاد سے کام لیا ہو اور حق بات معلوم کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا ہو اور اس کے باوجود اس سے غلطی ہوئی گئی ہو تو پھر وہ اس وعید کا مصداق نہیں ہوگا۔ اس کی خطاء معاف ہوگی بلکہ اجتہاد کرنے کی وجہ سے اسے اجروثواب بھی ملے گا لیکن اسے یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیے کہ جو بات وہ اپنے اجتہاد کی بناپر کررہا ہو اور اس کے بارے میں اسے کتاب وسنت سے کوئی نص نہ ملی ہو تو اس کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کرے کہ:

اللہ تعالیٰ نے یہ حرام قرار دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ حلال قرار دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ مباح قرار دیا ہے

اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے

اس مسئلہ میں ائمہ سلف کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ اس بات سے فرمائیے کہ امام مالک جب کوئی مسئلہ اپنے اجتہاد اور رائے کی بنیاد پر بیان کرتے تو ساتھ ہی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ:

"ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین(۳۳) ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو منصب افتاء پر فائز کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وجوہ قرآن، اسانید صحیحہ اور سنن کا عالم ہو، آپ سے مروی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ فتوی دینا صرف اس آدمی کیلئے جائز ہے جو کتاب وسنت کا عالم ہو"

اسی طرح امام شافعی سے بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی شخص کیلئے اس وقت تک فتوی دینا حلال نہیں ہے، جب تک وہ کتاب اللہ اور اس کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، تاویل وتنزیل، مکی ومدنی سورتوں کی تفصیل اور ان کے معانی ومطالب سے آگاہ نہ ہو، حدیث رسول اللہ ﷺ، اس کے ناسخ ومنسوخ اور قرآن مجید ہی کی طرح حدیث سے متعلق دیگر امور سے آگاہ نہ ہو، اسے لغت وشعر کا بھی اس قدر علم ہو جو قرآن وسنت کے سمجھنے کیلئے ضروری ہے، مختلف علاقوں کے اہل علم کے اختلاف کا بھی اسے علم ہو، نیز اسے طبعی ملکہ بھی حاصل ہو، اگر اس میں یہ باتیں موجود ہوں تو وہ حلال وحرام کے بارے میں فتوی دے سکتا ہے اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو اسے فتوی نہیں دینا چاہیے(۳۴)

بہر حال اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ایسی رائے کی بنیاد پر فتوی دینا حرام ہے، جو کتاب وسنت کے نصوص کی مخالفت پر مبنی ہو یا نصوص سے جس رائے کو قبول کرنے کی شہادت نہ دی ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فان لم یستجیبوالک فاعلم انما یتبعون اھواء ھم. ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ ان اللہ لایھدی القوم الظلمین(۳۵)

(پر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

حضرت داؤد علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یاداؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لھم عذاب شدید بما نسوا

یوم الحساب" (۳۶)

(اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهوأ الذین لا یعلمون انهم لن یغنوا عنک من الله شیئاً وان الظلمین بعضهم اولیاء بعض والله ولی المتقین" (۳۷)

(پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر (قائم کر دیا) تو اس راستے) پر چلے چلو نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا، یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی علم کے بغیر فتوی دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"من قال علی مالم اقل فلیتبوا بیتا فی جهنم ومن افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاه..... (۳۸)

(جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی، جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتوی دیا گیا تو اس کا گناہ فتوی دینے والے کو ہوگا)

کتاب وسنت کے ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوی صرف اس شخص کو دینا چاہیے، جس میں مکمل اہلیت ہو۔ مکمل اہلیت سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں (۳۹)

فقہ حنفی کے مطابق جو واقعہ ابھی تک پیش ہی نہ آیا ہو، اس کے بارے میں فتوی دینا واجب نہیں ہے۔ فتوی میں تساہل کا ثبوت دینا یا اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا حرام ہے، فتوی صرف اس شخص کو دینا چاہیے، جو علماء کے اقوال کو جانتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ علما کے ان اقوال کا مصدر وماخذ کیا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوں تو اسے اس قول کی دلیل بھی معلوم ہونی چاہیے، جسے اس

نے اختیار کیا ہو۔

الغرض ہر اس بالغ عاقل مسلمان کیلئے فتوی دینا جائز ہے جو روایات کا حافظ، درایات سے واقف، طاعات کا محافظ اور شہوات وشبہات سے مجتنب ہو خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان "(۴۰)

اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ، شافعہ اور حنابلہ کے ارشادات بھی قریباً قریباً اسی کے ہم معنی ہیں(۴۱) حافظ ابن قیم نے آداب فتوی و مفتی و مستفتی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۴۲)

مفتی کا اپنے فتوی سے رجوع

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اگر مفتی نے کوئی فتوی دیا ہو اور پھر وہ اپنے فتوی سے رجوع کر لے اور مستفتی کو بھی اس کے رجوع کے بارے میں علم ہو جائے اور ابھی تک اس نے اس کے فتوی پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے لئے ایک قول کے مطابق اس کے اس پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام ہے، جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ محض مفتی کے رجوع کی وجہ سے اس کے پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام نہیں ہوگا بلکہ اسے چاہیے کہ اس کے بارے میں کسی اور مفتی سے بھی فتوی طلب کرے اور اگر دوسرے مفتی کا فتوی اس کے پہلے فتوی کے مطابق ہو تو اس پر عمل کر لے اور اگر وہ اس کے دوسرے فتوی کے مطابق فتوی دے اور کسی اور نے بھی اس کے اس دوسرے فتوی کے خلاف فتوی نہ دیا ہو تو پھر پہلے فتوی پر عمل کرنا حرام ہوگا اور اگر کسی شہر میں مفتی ہی ایک ہو تو پھر اس سے یہ پوچھ لے کہ اس نے اپنے پہلے فتوی سے رجوع کیوں کیا ہے؟ اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس نے اس مسئلہ میں کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیا ہے جبکہ پہلا قول بھی درست ہے تو اس صورت میں پہلا فتوی پر عمل کرنا حرام نہ ہوگا اور اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتوی صحیح نہیں تھا اور اس میں اس سے غلطی ہو گئی ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا حرام ہے بشرطیکہ اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتوی شرعی دلیل کے خلاف ہو اور اگر اس کا رجوع محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو پھر مستفتی کے لئے اس کے مطابق عمل کرنا حرام نہیں ہوگا(۴۳)

کیا مستفتی کو بتانا ضروری ہے؟

اگر مفتی اپنے فتوی سے رجوع کر لے یا اس کے اجتہاد میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے تو کیا اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مستفتی کو بھی اس کے بارے میں مطلع کرے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مفتی کو یہ معلوم ہو کہ فتوی دینے میں اس سے غلطی ہو گئی ہے اور اس کا فتوی کتاب وسنت کی کسی ایسی نص کے خلاف ہے، جس کے مقابلہ میں کوئی اور نص موجود نہیں ہے یا اس کا فتوی اجماع امت

کے خلاف ہے، تو اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ مستفتی کو مطلع کرے اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کا فتوی صرف اس کے اپنے فقہی مذہب یا اپنے امام کے قول کے خلاف ہے، تو اس صورت میں مستفتی کو مطلع کرنا واجب نہیں ہے(۴۴)

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا مفتی کیلئے ضروری ہے کہ وہ افتاء کی شرائط کو پورا کرتا ہو اور فتوی دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق نہ ہو جسے علامہ خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یخرج فی اخرالزمان رجال.. وفی روایة. قوم رؤس جهال یفتون الناس فیضلون ویضلون"

(آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ--- اور ایک روایت میں ہے کہ کچھ ایسے جاہل لوگ پیدا ہوں گے جو لوگوں کو فتوی دیں گے مگر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں کہ مسلمانوں کے امام وحاکم کو چاہیے کہ وہ مفتی حضرات کے حالات کا جائزہ لے، ان میں سے جو فتوی دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تو اسے برقرار رکھے اور جو اس صلاحیت سے محروم ہو تو اسے فتوی دینے سے منع کردے اور کہے کہ اگر وہ آئندہ باز نہ آیا تو اسے سزا دی جائے گی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر خلفاء بنی امیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ موسم حج میں مکہ مکرمہ میں مفتیوں کا تقرر کردیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان مفتیان کرام کے علاوہ کسی اور سے فتوی طلب نہ کیا جائے(۴۵)

علامہ خطیب بغدادی نے اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہ کا بھی یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور علم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں کسی کو بھی فتوی نہ دیتا۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم نے شرح الروض" کے حوالہ سے یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے کے مشہور اہل علم سے یہ پوچھے کہ فتوی دینے کی صلاحیت سے کون بہرہ ور ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو فتوی دینے سے منع کردے، جو اس صلاحیت سے محروم ہوں اور باز نہ آنے کی صورت میں انہیں سزا دے(۴۴)علامہ خطیب بغدادی، حافظ ابن قیم اور دیگر اہل علم نے بھی ائمہ کرام وفقہاء عظام کے ارشادات اس مسئلہ سے متعلق بیان فرمائے ہیں، مگر اختصار کے پیش نظر سردست ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

افتاء واستفتاء کی تاریخ

افتاء واستفتاء کا سلسلہ چونکہ خود حضور اکرم ﷺ کے مبارک عہد ہی سے شروع ہوتا ہے، اس لئے اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی، حضرات صحابہ کرامؓ کو جب کوئی مشکل مسئلہ

درپیش ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کی طرف رجوع کرتے کیونکہ آپ ہی مہبط وحی، شارع اسلام اور مرجع خلائق تھے۔

آپ کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ اس منصب پر فائز تھے۔ جن جلیل القدر صحابہ کرام کی طرف لوگ رجوع کیا کرتے تھے، ان میں سے مدینہ منورہ میں خلفاء راشدینؓ کے علاوہ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ، مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، بصرہ میں حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت ابوموسی اشعریؓ، شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن صامتؓ اور مصر میں حضرت عمرو بن عاصؓ کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں قریباً ایک سو تیس حضرات صحابہ کرام کے اسماء گرامی محفوظ ہیں، جو مسند افتاء پر فائز تھے۔

حضرات صحابہ کرام کے عہد کے بعد جلیل القدر تابعین و تبع تابعین منصب افتاء پر فائز رہے، ان میں سے چند نمایاں شخصیتوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱)سعید بن مسیب (۲)سعید بن جبیر (۳)عروہ بن زبیر
(۴)عکرمہ یزید (۵)مجاہد (۶)عطاء
(۷)علقمہ بن قیس (۸)قاضی شریح (۹)یزید بن ابی حبیب
(۱۰)لیث بن سعد

یہ چند اسماء گرامی ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" ذکر کیے ہیں۔ تفصیل کے شائقین حافظ ابن حزم کی کتاب "جوامع السیرۃ" اور حافظ ابن قیم کی شہرہ آفاق کتاب "اعلام الموقعین" کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ کے عہد میں بھی فتاوی کے سلسلہ میں مجتہدین میں بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا لیکن تدوین فقہ کے دور میں اختلاف کی اس خلیج میں مزید وسعت پیدا ہو گئی (۴۶) اور اس کے نتیجہ میں فقہاء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے ایک اہل حدیث کا گروہ تھا جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے فتوی کی بنیاد پر فتوی دیتا تھا۔ اس گروہ میں علماء حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی، دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا جو نصوص شرعیہ کی تشریح ان کے عقلی معنی ومفہوم کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا تھا۔ اس گروہ میں فقہاء عراق کی غالب اکثریت شامل تھی۔

اس دور کے بعد فتاوٰی کا اجرا اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہو گئی، دوسرا ائمہ وفقہاء کے مقلدین مختلف گروہوں میں بٹ گئے، ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ نااہل لوگ اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے یا صحیح اجتہاد کے اہل علماء کے صحیح مجتہدانہ فتاوٰی کو خلاف اسلام ثابت کرکے ان پر کفر کے فتوے لگانے لگے۔ اندھی تقلید کی وجہ سے جو ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوئی، اس کا شکوہ کرتے ہوئے سلطان العلماء عز بن عبد السلام نے بجا فرمایا ہے کہ:

"یہ بے حد تعجب انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کے ضعف کا بھی علم ہوتا ہے اور اس کے مداوا کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے امام کی تقلید اور مذہبی جمود کے باعث انہیں کتاب وسنت اور صحیح قیاس کو ترک کردینے میں بھی کوئی حجاب نہیں ہوتا بلکہ کتاب وسنت کے واضح نصوص کو ترک کردینے اور اپنے امام کی طرف سے دفاع کرنے کیلئے ایسی ایسی بعید از قیاس اور باطل تاویلوں سے کام لیتے ہیں۔۔۔(۴۷)

لیکن الحمدللہ ہر دور میں اہل حق کا۔ آلام ومصائب کا تختہ مشق بننے کے باوجود۔۔ ایک ایسا مقدس گروہ بھی رہا ہے، جنہوں نے اپنے افکار ونظریات اور اپنے فتاوٰی ومسائل کی بنیاد قیل وقال اور آراء الرجال کے بجائے ہمیشہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے فتاوٰی پر رکھی، سلف امت حضرات صحابہ کرام وتابعین کے بعد بھی ہر دور میں ایسے بے شمار اساطین علم وفضل رہے ہیں، جو حاملین کتاب وسنت کی اسی سلک مروارید سے منسلک ہیں اور ان کی کتب اور فتاوٰی کے مجموعوں سے آج بھی دنیا اکتساب ضیاء کررہی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام بخاری، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم، حافظ دنیا ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب، امام قاضی محمد بن علی شوکانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دیگر ائمہ وفقہاء کرام جو حیطہ شمار سے باہر ہیں، کے فتاوٰی سے دین کا وہ کون سا طالب علم ہے جو کسب فیض نہ کررہا ہو؟

حوالہ جات

۱- لسان العرب وتاج العروس، مادہ الفتی۔

۲- کشف الظنون ص:۱۲۱۸

۳- مفردات القرآن:۳:۲۰۷

۴- النہایۃ فی غریب الحدیث:۳:۱۹۹

۵- کشف الظنون ص:۱۲۱۸، دستور العلماء:۳:۱۳، کتاب التعریفات ص:۱۷۱

۶- النساء:۱۲۷

۷- النساء:۱۷۶

۸- یوسف:۴۳

۹- الصافات:۱۱

۱۰- المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، ص:۵۱۲

۱۱- مسند احمد

۱۲- صحیح مسلم مع شرح النووی، تفسیر البروالاثم:ج:۱۶،ص:۱۱۱، دارالکتاب العربی، بیروت،۱۹۸۷

۱۳- مسند امام احمد

۱۴- الموافقات، ج:۴،ص:۲۴۴

۱۵- صحیح البخاری، کتاب العلم، باب۹، حدیث نمبر۶۷،ص۱۹، مکتبہ دارالسلام

۱۶- صحیح البخاری، مسند احمد، سنن ترمذی۔

۱۷- احمد، ابوداؤد، حاکم بروایت ابن عباس

۱۸- المجموع شرح المہذب، ج:۱،ص:۴۰ طبع ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۴ھ

۱۹- ردالمحتار حاشیہ الدر المختار، ج:۴،ص:۴۱۸

۲۰- الفروق ج:۲،ص:۱۱۰

۲۱- اعلام الموقعین، ج۱،ص:۶۴، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ

۲۲- فقہاء کرام کے اقوال کیلئے ملاحظہ فرمائیے المجموع شرح المہذب، ج:۱،ص:۴۵